Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

The Impacts of Media in Postmodern Pakistani Fiction

مابعد جدید پاکستانی افسانہ میں ذرائع ابلاغ کے اثرات

Rana Muhammad Mohsin[1], Iram Munir[2], Dr Saira Irshad[3]
[1,2]PhD Scholar, Department of Urdu, Riphah International University, Faisalabad.
[3]Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. Sadiq College Women University, Bahawalpur.
Correspondence Email: bigkhan8@gmail.com

pISSN: 3007-2077
eISSN: 3007-2085

HEC approved in **Y** category.

Received: 10-02-2025
Accepted: 01-03-2025
Online: 03-03-2025

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license.

Copyright: © 2025 by the author(s).

Abstract
Means of Communication refer to all the sources through which we convey our message to others. In Urdu it is called Zaraye Iblagh while in English, it is referred to as Media meaning source and Medium. Media is an undeniable reality of the modern era. While it has brought numerous benefits to human lives, it has also caused significant drawbacks. Urdu fiction writers have addressed these drawbacks in their stories. In this research paper, the researcher has highlighted that postmodern Pakistani fiction portrays issues such as the erosion of moral values, the invasion of Western culture, restlessness, sensationalism, religious and sectarian divisions, and identity crises. The study also proves that media distorts reality, influences public opinion, and promotes cultural anxiety while shaping narratives, identities, and social constructs. In short, postmodern Pakistani fiction reflects the illusions and complexities created by media in the contemporary era.

Keywords:
Media, Postmodern, Urdu, Pakistani Fiction, Western Culture, Sensationalism, Sectarianism

ذرائع ابلاغ سے مراد وہ تمام ذرائع ہیں جن کی مدد سے ہم اپنی بات دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ اردو میں ذرائع ابلاغ اور انگریزی میں اسے میڈیا کہتے ہیں۔ میڈیا انگریزی زبان کے لفظ میڈیم (Medium) کے جمع کے طور پر استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ذریعہ اور واسطہ کے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کو میڈیا اس لیے کہا جاتا ہے کیوں کہ یہ عوام الناس کو آپس میں رابطے کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ معلومات کا تبادلہ کرنے کے لیے ذریعہ اور واسطہ کا کام دیتے ہیں۔ عموماً ماس کمیونیکیشن (Mass Communication) کے بنیادی ذرائع مثلاً ٹیلی ویژن، ریڈیو، اخبارات ورسائل وغیرہ کو میڈیا تصور کیا جاتا ہے لیکن دورِ حاضر میں ان سب کے علاوہ سوشل میڈیا ایک الگ

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

پہچان کا حامل بن کر سامنے آیا ہے جس میں فیس بک (Facebook)،ٹویٹر(Twitter)،مائی اسپیس(My Space)،وٹس ایپ(Whatsapp)،انسٹاگرام(Instagram)،ایمو(Imo)اور میسنجر(Messenger)وغیرہ شامل ہیں اور موجودہ دور میں ذرائع ابلاغ ہی کی ایک نئی قسم کے طور پر پہچانے جانے کے ساتھ ساتھ ایک اہم حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ میڈیا ایک وسیع اصطلاح ہے۔ یہ اپنے اندر بے شمار پہلوؤں کو چھپائے ہوئے ہے۔ سید عبد السلام زینی اس میڈیائی تنوع کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> "اطلاعات کے اس ترقی یافتہ نظام میں ابلاغ کے وہ تمام ذرائع شامل ہیں جن کے توسط سے ہر نوعیت کی قومی اور بین الاقوامی خبر حالات و کوائف اور اطلاعات و معلومات ایک جگہ سے دوسری جگہ عامۃ الناس تک پہنچائی جاتی ہیں۔ ان ذرائع ابلاغ میں قومی اور بین الاقوامی خبر رساں ادارے، ریڈیو، ٹیلی ویژن، فلمیں، اخبارات، رسالے، مصور، جرائد، شماریاتی بنک، اشتہارات دینے اور تیارے کرنے والے ادارے، کیسٹ، کتابیں، پمفلٹ اور ماہرانہ تبصرے فراہم کرنے والے سٹڈیکیٹ شامل ہیں۔"(۱)

موجود دور روابطی ٹیکنالوجی اور اطلاعاتی انقلاب کا دور ہے۔ ترقی کے اس دور میں میڈیا جتنا اثر انگیز ہے اس سے پہلے کبھی بھی نہیں تھا۔ کیا میڈیا نے صحیح معنوں میں دنیا کو رابطوں کے ایک گلوبل ولیج میں تبدیل کر دیا ہے اور کیا میڈیا آج مختلف انداز میں انسانی زندگیوں پر اثر انداز ہو رہا ہے؟

اس میڈیائی دور میں ہر جذبہ، ہر احساس، ہر خیال بدل چکا ہے جہاں میڈیا جذبات، احساسات اور خیالات کی تبدیلی کا باعث بن رہا ہے وہیں میڈیا ادب پر بھی اثر انداز ہوئے بغیر نہ رہ سکا میڈیا کے جو اثرات انسانوں پر پڑے اس کا اظہار اہلِ ادب نے بخوبی کیا ہے اور ان اثرات کی نشان دہی ادب کے ذریعے کی جو عام انسان کی زندگی پر مرتب ہوئے۔ ادب کی صنف افسانہ میں بھی میڈیا کے انسان اور سماج پر پڑنے والے مثبت و منفی اثرات کو افسانہ نگار اپنے افسانوں کے ذریعے بیان میں لائے ہیں۔ افسانہ میں ان منفی اثرات کو حمید شاہد، طیب عزیز ناسک، لیاقت علی، خرم بقا اور قمر سبزواری کے علاوہ بہت سے افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں بیان کیا ہے۔ یہاں چند منتخب افسانوں سے اپنی بات کی وضاحت کرنے کی کوشش کروں گا۔

محمد حمید شاہد کے افسانے "ملبہ سانس لیتا ہے" میں افسانہ نگار ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء میں زلزلے کے دوران گرنے والی عمارت کے حالات بیان کرتا ہے اور یہ بات واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ آفات کو بھی میڈیا کس انداز سے پیش کرتا ہے۔ سیاست دان اور میڈیا اپنی اپنی دکانیں چمکانے کے چکر میں سرگرمِ عمل نظر آتے ہیں۔ مرکزی کردار ملبے میں دبا ہوتا ہے۔ موت کی اس کھینچا تانی میں افسانہ نگار ایک سیاست دان کی بے حسی کو میڈیا کیمروں کے نظر آتے ہی یوں بیان کرتا ہے:

> "وہی وقت بنتا ہے ملبے کے اوپر چڑھ کر تصویریں بنوانے والا اور وہ بھی یوں جیسے کوئی شوباز شکاری پہلے سے مرے ہوئے شیر کو دیکھے اور اس کے بدن پر پاؤں رکھ کر لوگوں کے دلوں پر دھاک بٹھانے کے لیے تصویریں اتروانا شروع کر دے۔"(۲)

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

ایک اور جگہ جب لاشوں کے درمیان کوئی زندہ بچ نکلتا ہے تو میڈیا کے لوگوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے افسانہ نگار میڈیا کی بے حسی کو یوں بیان کرتا ہے:

"اور جب ایسا ہوتا تو متحرک اور ساکت تصویریں بنانے والے کیمروں کو اٹھائے میڈیا کے منتظر لوگ بھاگ بھاگ کر اس کی تصویریں اتارتے اور رپورٹیں نشر کرنے میں سبقت لے جانے میں مگن ہو جاتے۔"(۳)

سیاست دانوں اور میڈیا کی یہ بے حسی انسانی جذبوں کے منافی ہونے کے ساتھ ساتھ سنگ دلی، خود غرضی اور مالی منفعت کے علاوہ سیاسی اور سماجی صورت اور پورے معاشرے کے موجودہ حالات کی عکاسی کرتی ہے۔طیب عزیز ناسک کا افسانہ "روشن اندھیرے" میں دیکھا جاسکتا ہے کہ افسانے کا مرکزی کردار رؤف لائبریرین ہے اور احساسِ کمتری کا شکار ہے وہ یونی ورسٹی سے گھر واپسی پہ ایک لڑکی سے لفٹ لیتا ہے۔ ان میں باتوں کا تبادلہ ہوتا ہے۔رؤف اپنی احساسِ کمتری کے باعث خود کو یونیورسٹی کا پروفیسر بتاتا ہے جبکہ لڑکی اپنی حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے اپنا نام ماریہ بتاتے ہوئے گفتگو کرتی ہے:

"جو کام میں کر رہی ہوں میں اس کو بتاتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتی۔ آج کل کے مہذب لوگ جب رات کو تھکے ماندے گھر آتے ہیں تو ہمیں اپنی تسکین کے لیے بلاتے ہیں۔اس نے ڈیش بورڈ سے کارڈ اٹھا کر مجھے دیا اور کہا کہ میرا کارڈ ہے اگر میری ضرورت ہو تو خدمت کا موقع ضرور دیجیے گا اور۔۔۔ نمبر درج ہے ٹائم لے لیجیے گا آج کل اس کا کافی ٹرینڈ ہے۔"(۴)

رؤف اپنے آپ کو شادی شدہ اور شریف آدمی بتاتے ہوئے اس قسم کی اخلاقی گراوٹوں سے اپنی پاک دامنی بیان کرتا ہے جس پر ماریہ نامی خاتون کہتی ہے کہ شرافت کے لبادے میں لپٹے لوگوں کو میں اچھے سے جانتی ہوں۔ یہاں افسانہ نگار نے موبائل کے غلط استعمال کو بیان کرتے ہوئے معاشرے میں پائی جانے والی اخلاقی گراوٹ کا ذکر کیا ہے کہ کبھی ایک وقت تھا کہ اس قسم کی بداخلاقیاں خاص مقامات پر ہوتی تھیں لیکن موبائل نے ان بداخلاقیوں کی سرحدوں کو ختم کر دیا ہے۔

محمد حمید شاہد اپنے افسانے "ککلی کلیر دی" میں میڈیا کے بڑھتے ہوئے انسانی زندگی پر اثرات کا تذکرہ اس انداز میں کرتے ہیں:

"انفارمیشن گاربیج ایک ڈھیر ہے معلومات کا جو انٹرنیٹ کے ذریعے چلا آتا ہے اسی میں ننگی عورتیں بھی ہیں اور سائنسی فارمولے بھی۔۔۔ اور شعر وادب کے چسکے کا سامان بھی۔۔۔ چٹ پٹے لطیفے، بش کی دھمکیاں، تیل کی چڑھتی ہوئی قیمتیں جسے جو کچھ جاننا ہوتا ہے یہیں سے اچک لیتا ہے۔یہ ساری معلومات ہم اپنے بچوں کو بھی دینا چاہتے ہیں۔"(۵)

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انفارمیشن گاربیج کا نفع یا نقصان کن لوگوں کو ہوتا ہے۔ محض ان لوگوں کو جو انٹرنیٹ کی سہولت استعمال کر سکتے ہیں؟ انٹرنیٹ نے شرق و غرب کے انسان کو ایک دوسرے سے ملا دیا ہے اور معلومات کی ترسیل کا سلسلہ بہت تیز ہو گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج اس دنیا کو گلوبل ویلج کا نام دے دیا گیا ہے۔جہاں کچھ مسائل عالم گیر حیثیت رکھتے ہیں وہاں عالم گیریت خود ایک

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

مسئلہ بن کر رہ گیا ہے۔ ''منتخب ادبی اصطلاحات'' میں عالم گیریت کے اس منفی پہلو کی طرف کچھ یوں اشارہ کیا گیا ہے:

''عالم گیریت پر اعتراضات بھی ہوئے ہیں۔۔۔دنیا میں کروڑوں آدمی ایسے ہیں جنھوں نے ٹیلی فون بھی کبھی استعمال نہیں کیا۔Internet (اندر جال) تو دور کی بات اس کا مطلب ہوا کہ عالمگیریت کا اطلاق صرف ترقی یافتہ ملکوں پر ہوتا ہے۔''(۶)

افسانہ ''کلی کلیر دی'' کا مرکزی کردار بھی جو ایک ادیب ہے اور اپنے فن پارے کا نام ''قلم کلی'' رکھتا ہے۔ افسانہ نگار بتاتا ہے کہ بچوں سے ان کا تہذیبی ماضی چھن چکا ہے۔ ایک وقت تھا کہ بچے اپنے مقامی علاقائی کھیل کھیل کر دل بہلاتے تھے۔ اب ٹیوشن، ہوم ورک، ٹی وی، فلمیں، انٹرنیٹ اور دن بھر کی مصروفیات انھیں روبوٹ اور صارف تو بنا رہی ہیں لیکن بہترین انسان نہیں۔

میڈیا موجودہ دور کی حقیقت اور ضرورت ہے جس سے صرفِ نظر ممکن نہیں۔ آج سماجی میڈیا، سماج میں جس مقام پر کھڑا ہے کوئی ذو فہم اس سے نظریں چرانے کی کوشش نہیں کر سکتا۔ موجود حالات کے تناظر میں میڈیا کو اگر ہم انقلابی میڈیا کہیں تو یہ زیادہ بہتر ہو گا کیوں کہ جس طرح اس نے بہت قلیل وقت میں لوگوں کے اذہان و قلوب کو متاثر کیا ہے، شاید ہی کسی اور چیز نے کیا ہو۔ جب کوئی چیز اس تیزی سے لوگوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں سرایت کرتی ہے تو یقیناً ان پر ہمہ جہت اثرات مرتب کرتی ہے۔

لیاقت علی کے افسانہ ''گھوڑے'' میں میڈیا کی سنسنی خیزی اور انسان کی بدلتی ہوئی ذہنی حالت کو بیان کیا گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ میڈیا کسی بھی بات یا خبر کو اتنی سنسنی سے بیان کرتا ہے کہ ہم بذاتِ خود اپنے آپ کو اس میں شامل کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میڈیا کافی حد تک ہماری ذہنی حالت کو بدلنے کا ذمہ دار ہے۔ میڈیا بیانیہ بنا کر انسانی اذہان پر اثر انداز ہوتا ہے۔

افسانہ ''گھوڑے'' میں کرکٹ کو موضوع بنایا گیا ہے۔ افسانے کے دو کردار شبگی اور اس کا باپ دونوں کرکٹ کے جنون میں مبتلا ہیں۔ شبگی نے کرکٹ کے ساتھ اتنی وابستگی اپنے باپ سے وراثت میں لی تھی اور اب تو گھر میں صورتِ حال یہ تھی:

''کرکٹ کے علاوہ کوئی چینل بدلنا گویا فساد کو دعوت دینا بن گیا۔ اس فساد کا سب سے بڑا سبب محض چینل کی تبدیلی ہی نہیں تھا بلکہ پے در پے پاکستان کی شکست اس کی اہم وجہ تھی جس نے اس کی طبیعت میں بے حد چڑچڑا پن پیدا کر دیا تھا۔''(۷)

ماضی قریب میں ہمیں فخر تھا کہ ہمارے کھلاڑی دنیا کے بہترین کھلاڑیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ کرکٹ کا جنون قومی سطح کا ہوتا تھا لیکن آج وہی کھیل ہمارے لیے اجتماعی اضطراب کا باعث بن چکا ہے۔ افسانہ نگار یوں لکھتا ہے:

''جب بھی کوئی اہم میچ ہو، میڈیا جیت کی توقعات کو اس سنسنی خیز انداز میں لوگوں کے اذہان میں منتقل کر دیتا ہے کہ لوگ شکست کے کسی امکان سے سمجھوتا کیے بغیر، بے چینی سے جیت کے بگل بجانے لگتے ہیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ بالعموم ہم ہار جاتے ہیں اور یہ شکست من حیث القوم سب کو مغموم کر جاتی ہے۔ اپنی مصروفیات ترک کر کے گھروں میں اہتمام سے پکوان پکا کر میچ دیکھنے، ایک ایک سکور اور وکٹ پر تبصرے کرنے اور دھڑا دھڑ موبائل میسیجز کے ذریعے اپنے تاثرات بانٹنے

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

والے لوگ آخر جھلاتے، ایک دوسرے سے الجھتے، ٹی وی بند کرتے سو جاتے مگر نیند بھی ڈھنگ سے کہاں آتی ہے۔ عجیب بے چینی سی لگی رہتی ہے۔"(۸)

شبگی بھی اپنے باپ کی طرح اسی جنون کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ پاکستان کی پے در پے ہار کی وجہ سے چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ اس کی ذہنی حالت خراب ہونے لگتی ہے اور رویہ تبدیل ہونے لگتا ہے۔ افسانہ سے اس بات کا اندازہ لگانا آسان ہو گیا ہے کہ میڈیا کی بدولت عوامی رجحان کی تشکیل ہوتی ہے۔ کسی چیز کی طرف رجحان فکری لگاؤ سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ میڈیا انسانی افکار پر براہِ راست اثر انداز ہوتا ہے۔ میڈیا کے بیان کردہ حالات وواقعات عوام کے ذہنوں میں جڑ پکڑتے جاتے ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ میڈیا انسانی رویوں کی تبدیلی کا ذریعہ بن رہا ہے۔

سوشل میڈیا موجودہ صدی میں انسانی زندگیوں میں سرایت کر چکا ہے۔ سوشل میڈیا کی وجہ سے ہمارے افکار متاثر ہو چکے ہیں۔ عقائد افکار سے جنم لیتے ہیں، عقیدہ جب عمل کا روپ دھار لیتا ہے تو چند مظاہر نمودار ہوتے ہیں۔ ان ہی مظاہر کو تہذیب کا نام دیا جاتا ہے۔ کسی معاشرے میں عقائد کے درست یا غلط ہونے کا اندازہ اس کے تہذیبی مظاہر سے ہوتا ہے۔ گویا یہ دونوں ایک دوسرے کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ تہذیب ظاہر ہے تو عقیدہ باطن۔ ہر تہذیب اپنی اقدار سے محبت رکھتی ہے۔ بنیادی عقائد جیسے تخلیقِ کائنات، انسان اور خالق کائنات کے بارے میں اختلافات، تہذیبی اختلافات کو جنم دیتے ہیں۔ دنیا میں بے شمار تہذیبیں موجود ہیں لیکن وہ تمام مخصوص ترکیب کی بنا پر کسی حد تک ایک دوسرے سے مماثلت رکھتی ہیں۔ عصرِ حاضر میں سب سے بڑا تصادم اسلام اور مغربی تہذیب میں پایا جاتا ہے۔ عالمگیریت کے پردے میں اپنے مذموم عزائم لیے سامراج سوشل میڈیا کے ذریعے اپنی تہذیبی غلاظتیں ہمارے معاشرے تک پہنچانے میں کامیاب ہو چکا ہے۔

خرم بقا کے افسانہ "خاموش" میں یہی صورت حال بیان کی گئی ہے۔ افسانہ کا مرکزی کردار خدا سے شکایت کر رہا ہے کہ تو بس دیکھ رہا ہے جو کچھ زمین میں ہو رہا ہے تو کچھ کرتا نہیں لوگوں کا تجھ پر سے ایمان اٹھ جائے گا تو ان کی مدد کے لیے کیوں نہیں آتا۔ دو مسلکوں کی آپس میں لڑائی ہوتے دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ اس وقت تجھ سے زیادہ اپنے پیشواؤں کی اطاعت کر رہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کچھ لوگ ایک آدمی کو پکڑتے ہیں اور تیل چھڑک کر آگ لگا دیتے ہیں جس پر میڈیا کی بے حسی دیکھنے میں ملتی ہے جو ان کے درمیان بیچ بچاؤ کروانے کے بجائے کیمرے میں ان مناظر کو عکس بند کرنے میں لگ جاتے ہیں کہ کون کتنا زیادہ اس واقعے کو واضح طور پر اپنے کیمرے میں دکھا سکتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ پیسہ کمائے گا جس کو جتنی خبر چلانے کا موقع ملے گا۔ وہ چینل کہے گا کہ اس واقعہ کو ہمارے چینل نے پہلے دکھایا۔

افسانہ نگار جو کہ افسانے کے مرکزی کردار کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے شکوے شکایت اور معاشرے میں ہونے والی ظلم و زیادتیوں کو بیان کر رہا ہے۔ یوں مخاطب ہوتا ہے:

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

"یہ چینل مالکان بھی تمھاری طرح "کُن" کہتے ہیں اور ان کے اینکرز، نیوز کاسٹر، چینل، اخبار سب اس کہے کو "فیکون" کرنے کے پھیر میں لگ جاتے ہیں۔ اس کے لیے پھر چاہے انھیں کتنا ہی جھوٹ بولنا پڑے، تاریخ کو کتنا ہی بدلنا کیوں نہ پڑے یہ کرنے میں مزے کی بات یہ ہے کہ پیٹ کے لیے نہیں کرتے، ہوس کے لیے کرتے ہیں۔"(۹)

مابعد جدید عہد میں دنیا گلوبل ولیج بن چکی ہے۔ جہاں انسان ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہوا لیکن دوسری طرف اگر نظر ڈالیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ آج کا انسان ایک دوسرے سے کتنا کٹ کر رہ گیا ہے۔ آج کے انسان کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ کسی کے پاس بیٹھ کر اس کے دکھ درد میں شامل ہو سکے۔ مابعد جدید افسانہ میں افسانہ نگار انسان کی تنہائی کو بھی اپنا موضوع بناتا ہے اور اس کی وجوہات واسباب موبائل فونز کے غلط استعمال کو ہی بیان کرتا ہے۔

خرم بقا اپنے افسانے "سیونک" میں اس صورتِ حال کو پیش کرتے ہیں۔ افسانہ کا مرکزی کردار تنہائی کے عذاب میں مبتلا ہے کہ وہ کسی سے بات کرے، اسے چھ دن ہو گئے کسی سے بات کیے ہوئے، گھر میں جو کام کرنے والی آتی ہے وہ بھی ٹھیک سے شیریں زبان نہیں بول سکتی۔ سارے گھر میں وہ اکیلا تھا۔ بیوی کی وفات کے بعد اس کے بچے چاہتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ بیرونِ ملک جائے لیکن وہ منع کر دیتا ہے کہ اب بھلا آخری عمر میں اپنی مٹی سے کیسے دغا کرے۔

یہی شخص جب جوانی میں تھا تو تنہائی چاہتا تھا۔ حتیٰ کہ گھر میں کوئی مہمان بھی آ جاتا تو اس کو پسند نہ تھا، بچوں کا شور برداشت نہ ہوتا۔ اکثر بیوی بھی اس وجہ سے لڑتی کہ میری بات نہیں سنتے۔ کیونکہ شادی سے پہلے ان کی آپس میں فون پر بات چیت ہوتی رہتی تھی اس کو وہ یاد دلاتی:

"آپ کو تو اب میری آواز زہر لگنے لگی ہے۔ شادی سے پہلے تو رات رات بھر مجھ سے فون پر بات کرتے تھے گھر کے باہر لڑکیوں سے باتیں کر کے آجاتے ہوں گے تو بیوی سے بات کرنے کا دل کیوں کرے گا، وہ زچ ہو کر رہ جاتا۔"(۱۰)

ایک اور جگہ افسانہ نگار لکھتا ہے:

"اسے بچپن کے دن یاد آئے جب ٹی وی پر آخری پروگرام خبر نامہ ہوتا تھا اور ساڑھے نو بجے سب اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے تھے۔ کیبل اور موبائل نے تو آکر وہ سکون بھی چھین لیا ہے۔"(۱۱)

پہلے سب افراد ایک جگہ بیٹھ کر ٹی وی دیکھتے تھے۔ آخری پروگرام ختم ہوتا تو اٹھ کر سو جاتے۔ روزمرہ کی بات بھی ہو جاتی، ایک دوسرے سے بات کرنے کا موقع بھی مل جاتا لیکن اب صورتِ حال یکسر بدل چکی ہے۔ خاندانی زندگی موبائل فون، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی لپیٹ میں آ گئی ہے۔ ایک جگہ پر بیٹھے افراد آپس میں بات چیت کرنے کی بجائے موبائل فونز اور کمپیوٹر پر Chatting کرنے میں وقت گزارتے ہیں۔ ایک گھر میں رہنے والے ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو چکے ہیں۔ سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ نے انسانی سکون چھین لیا

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

ہے۔پہلے وقت پر سونا اور وقت پر جاگنا انسانی فطرت کا امتیاز تھا لیکن اب رات بھر لڑکے لڑکیاں آپس میں موبائل فون یا کمپیوٹر پر انٹرنیٹ کے ذریعے بات چیت کرتے ہیں لیکن ایک گھر میں موجود افراد کے بارے میں کسی کو دوسرے کی خبر نہیں رہتی۔

عصرِ حاضر کے اس مہذب دور میں جب انسان علمی میدان میں ترقی کی منازل تیزی سے طے کر رہا ہے وہ اپنی خانگی زندگی میں ناکام ہو رہا ہے۔خانگی زندگی کے حوالے سے اقدار بدل گئی ہیں۔خیر و شر کے تصورات بدل گئے ہیں اور یہ نئی اقدار پوری دنیا کے لوگوں کے رگ و پے میں سرایت کر گئی ہیں۔عورت اور مرد کے رشتے میں شادی، گھریلو زندگی اور بچوں کی کوئی وقعت نہیں۔یہی صورتِ حال ہمیں شکیلہ رفیق کے افسانہ "R.S.V.P." میں دیکھنے کو ملتی ہے۔اس میں مشرقی و مغربی تہذیب اور جنریشن گیپ کو بیان کیا گیا ہے۔

افسانہ کی مرکزی کردار خاتون کراچی سے تعلق رکھتی ہے جو ٹورنٹو اپنے بچوں کے ساتھ رہتی ہے لیکن افسانہ کی مرکزی کردار ایک ترقی پذیر ملک میں بھی تنہائی کا شکار ہے۔وہ گھر میں بیٹے، بہو اور بیٹی کے ہوتے ہوئے تنہا ہے۔بھرے گھر میں رہتی ہوئی اسے خالی محسوس کرتی ہے کیوں کہ کوئی کام پر چلا جاتا ہے اور کوئی پڑھنے چلا جاتا ہے۔

آج کے دور میں بچے باہر کے ممالک میں قیام پذیر ہونے کے باعث اپنے والدین سے دور ہیں۔یہ فاصلے زمینی بھی ہیں اور نظریاتی بھی۔باہر کے ممالک میں آزادی کو اہمیت حاصل ہے۔خواتین کو بھی اتنی آزادی حاصل ہے کہ تنہا رہتی ہیں۔اس کا ایک منفی پہلو یہ ہے کہ خاندان کے افراد اکٹھے رہنے کی بجائے خود کفیل ہونے کے باعث الگ الگ رہنا پسند کرتے ہیں۔ان کی یہ آزادی ان کا ہاتھ پکڑ کر تنہائی کے جزیرے پر لے جاتی ہے۔

وہ ٹی وی دیکھتی ہے اور ٹی وی پر نشر ہونے والے پروگراموں کے بارے میں اس کی رائے ہے کہ اگر اس قسم کے اردو پروگرام میں اپنے ملک میں دیکھتی تو لعنت ہے کہہ کر ٹی وی بند کر دیتی۔یہی وجہ ہے کہ افسانہ نگار لکھتی ہیں:

> "بچے میرا مذاق اڑاتے ہیں۔۔۔ماما! یہ کمپیوٹر کا دور ہے آپ کس دنیا میں رہتی ہیں؟ مگر مجھے اپنی چھوٹی سی دنیا اچھی لگتی ہے۔کمپیوٹر مجرموں کے چہرے پہ تو، جو خانے، بنا کر انھیں معدوم کر دیتا ہے اور جہاں چوخانوں کی ضرورت ہوتی ہے وہاں سب کچھ نظر آتا ہے اسی لیے میں اس چھوٹی سی نگری میں ٹھیک ہوں۔"(۱۲)

مغربی روایات کے جکڑے اس کے چھوٹے بیٹے اور بیٹی کے بارے میں افسانہ نگار لکھتی ہے:

> "چھوٹا بیٹا اور یہ بیٹی بھی اکثر تنہائی اور بوریت کا شکوہ کرتے ہیں۔۔۔بیٹا گرل فرینڈ بنانا چاہتا ہے اور بیٹی بوائے فرینڈ بنانا بھی نہیں چاہتی نہ فی الحال شادی کے موڈ میں ہے۔"(۱۳)

دراصل پوری دنیا بے سکونی، بے چینی اور اضطراب کی کیفیت میں مبتلا ہو گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں ایک ہی تہذیب پنپنے لگی ہے۔گلوبلائزیشن کا معاملہ بھی یہی ہے کہ یہ میڈیا اور نت نئی ایجادات کے ذریعے سے داخل ہوئی ہے اور ہم سب اس کی

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

زد میں ہیں اور کسی نہ کسی شکل میں اس سے متاثر ہو رہے ہیں۔ یہ چپکے چپکے ہماری زندگیوں میں سرایت کر کے ان کے اندر تبدیلی برپا کر رہی ہے اور ہمیں اس کا اندازہ بھی نہیں ہو رہا۔

گزشتہ چند سالوں میں ابلاغ کے میدان میں سوشل میڈیا کے زیرِ اثر وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں اور انقلاب نے ہر خاص و عام کی زندگی پر واضح اور دور رس اثرات مرتب کیے ہیں۔ سوشل میڈیا کے تیز رفتار پہیے کی وجہ سے آج ہر شخص محض اپنے فون کی اسکرین پر انگلیوں کے اشاروں سے دنیا بھر میں رونما ہونے والے واقعات و حالات کے متعلق معلومات حاصل کر سکتا ہے اور ان کے متعلق اپنی رائے کا اظہار بھی کر سکتا ہے۔

قمر سبزواری کے افسانہ "ہوم لیس" میں آج کی نوجوان نسل پر تنقید کی گئی ہے جو اپنے گھروں میں والدین کو نہیں رکھ سکتے۔ ان کے دلوں میں انسانوں کے لیے تو رحم نہیں اور جانوروں کے لیے رحم ہے۔ سوشل میڈیا کے ذریعے اسی صورتِ حال کو پروموٹ کیا گیا ہے۔ افسانہ کا مرکزی کردار دل میں انسانیت کا جذبہ تو رکھتا ہے لیکن اپنی بیوی سے ڈرتا ہے کیونکہ اس کو یہ سب پسند نہیں اور جب کبھی وہ انسانیت کے جذبے سے سرشار کسی کی مدد کر دیتا ہے تو اس کی بیوی واویلا کرتی ہے اور اس کے دوست بھی اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اپنی بیوی کی وجہ سے وہ اپنی ماں کو بھی اولڈ ہوم میں چھوڑ آتا ہے۔ جہاں وہ اپنی زندگی کے آخری دن گزارتی ہے اور مر جاتی ہے۔ اپنی بیوی کی گھر میں غیر موجودگی میں وہ ناشتہ کرنے کے لیے باہر جاتا ہے تو وہاں کوریڈور میں ایک بوڑھی عورت کو دیکھتا ہے۔ چاہنے کے باوجود بیوی کے ڈر سے وہ اس کی مدد نہیں کرتا لیکن دوسری طرف وہ کتے کے ایک پلے کا پاؤں فولڈنگ گیٹ کے آہنی چوکھٹے کے بیچ میں پھنسا دیکھتا ہے تو اس کے دل میں رحم آجاتا ہے۔ وہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کے پاؤں کو فولڈنگ گیٹ کے آہنی چوکھٹے سے آزاد کراتا ہے۔ اسی اثنا میں ایک سکول بس اس کے بالکل پاس آکر رکتی ہے تو وہ دیکھتا ہے:

"بس میں بیٹھی ایک ٹیچر اپنے موبائل سے اس کی مووی بنا رہی تھی۔"(۱۴)

کتے کا بچہ آزاد ہو کر لنگڑاتا ہوا اس کے مفلر پر بیٹھ جاتا ہے۔ بے دھیانی کے عالم میں وہ اسے سینے سے لگا کر چومنے لگ جاتا ہے بس میں بیٹھے بچے اور ارد گرد کے لوگ یہ منظر دیکھ کر تالیاں بجانا شروع کر دیتے ہیں۔ افسانہ نگار یوں بیان کرتا ہے:

> "ایک عورت کی آنکھوں میں تو آنسو آگئے وہ اپنے ہینڈ بیگ سے ٹشو نکال کر آنسو صاف کرنے لگی تو سب کے موبائلوں کے رخ اس کی طرف مڑ گئے۔ لوگ کبھی کتے کے پلے کو فوکس میں لاتے، کبھی اس کو پیار کرنے والے انسان کو اور کبھی آنکھوں سے آنسو صاف کرتی عورت کو۔"(۱۵)

یہاں افسانہ نگار سوشل میڈیا کی طاقت کو بیان کرتا ہے۔ کہ کیسے چھوٹے چھوٹے واقعات کو پوری دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اب ایک عام آدمی صحافی کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ ان جدید ڈیجیٹل ٹولز کے استعمال سے خبریں اور معلومات جس

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

طرح تیزی سے اور وسیع پیمانے پر پھیلائی جاتی ہیں اس سے کسی صاحبِ عقل کو انکار نہیں ہو سکتا۔ افسانہ نگار اس سوشل میڈیائی صورتِ حال کو مزید واضح کرتا ہے جب وہ اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا تو اس کا دوست سے کال کر کے بتاتا ہے کہ وہ وئرال ہو گیا ہے۔ آواز آتی ہے:

"کیا ویڈیو بنوائی ہے ظالم! تین گھنٹے سے بھی کم وقت میں تیری ویڈیو وائرل ہو گئی ہے۔ ہر طرف بس تو ہی تو ہے۔ چل تو دیکھ اور انجوائے کر۔ دن کو ملتا ہوں دوسری طرف سے جواب سنے بغیر لائن کٹ گئی۔ اس نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے لکی کو خود سے آگے نکلنے کا راستہ دیا اور حیرت و تجسس سے سوشل میڈیا کی مختلف سائیٹس یکے بعد دیگرے کھولنا شروع کر دیں۔۔۔ فیس بک، یوٹیوب، انسٹاگرام۔۔۔ اس کی اور لکی کی ویڈیو واقعی جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔۔۔۔"(۱۶)

افسانہ نگار نے افسانہ میں انسانیت کے دوغلے رویے کو موضوع بنایا جو کہ اس ابلاغی دور کا ایک بہت بڑا مسلہ بن کر سامنے آیا ہے۔ جہاں رشتے اپنی قدریں کھو رہے ہیں لیکن ایک چھوٹا سا واقعہ جب سوشل میڈیا کی زینت بنتا ہے تو وہ ٹاپ ٹرینڈ کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ اسی ٹاپ ٹرینڈ اور لائکس کی دوڑ میں لگے سوشل میڈیا صارفین اخلاقی قدریں کھو رہے ہیں۔

اس مقالے میں مابعد جدید پاکستانی منتخب افسانوں کے مطالعہ سے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان افسانوں میں میڈیا ایک طاقتور عنصر کے طور پر ابھرتا ہے جو انسانوں کو فوائد دینے کے ساتھ انسانی زندگیوں پر منفی اثرات بھی مرتب کرتا ہے جن کو افسانہ نگاروں نے افسانوں میں موضوع بنایا۔ ان میں عداوت، بغاوت، سیاسی، مذہبی و معاشرتی فرقہ واریت، اخلاقی اقدار کی پامالی، مغربی تہذیب کی یلغار، بے سکونی، سنسنی خیزی اور شناخت کے بحران پائے جاتے ہیں۔ ان افسانوں کے مطالعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ میڈیا حقیقت کو مسخ کر سکتا ہے، عوامی رائے پر اثر انداز ہوتا ہے اور ثقافتی بے چینی کو فروغ دینے کے ساتھ بیانیوں، شناختوں اور سماجی تصورات کو تشکیل دیتا ہے۔ مختصراً یہ کہ مابعد جدید پاکستانی افسانہ دور حاضر میں میڈیا کے پیدا کردہ فریب اور پیچیدگیوں کی عکاسی کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عبدالسلام زینی: "اسلامی صحافت" ادارہ معارف اسلامی، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص ۲۸
۲۔ توصیف تبسم (مرتبہ): "محمد حمید شاہد کے پچاس افسانے" پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء، ص ۲۰۵
۳۔ ایضاً، ص ۲۰۶
۴۔ محمد عثمان عالم و جواد حسنین بشر (مرتبین): "دھارے" سانجھ پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۱۷
۵۔ توصیف تبسم (مرتبہ): "محمد حمید شاہد کے پچاس افسانے" ص ۳۲۲
۶۔ ڈاکٹر سہیل احمد خان و محمد سلیم الرحمٰن (مرتبین): "منتخب ادبی اصطلاحات" جی سی یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۲۲

۷۔ لیاقت علی: ''جھوٹے آدمی کے اعترافات ''بیکن بکس، ملتان، ۲۰۱۸ء، ص ۱۶

۸۔ ایضاً، ص ۱۷

۹۔ خرم بقا: ''کلیشے'' انہاک انٹر نیشنل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۵۸

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۲

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۳

۱۲۔ پروفیسر سحر انصاری (مرتبہ): ''شکیلہ رفیق کی بہترین کہانیاں'' سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ء ص ۲۳۰

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۲۹"

۱۴۔ قمر سبزواری: ''پھانے'' انہاک انٹر نیشنل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۳۷

۱۵۔ ایضاً، ص ۳۸۔۳۹